

تفہیم القرآن

مُعَوِّذَاتِین

الْفَلَق ————— النَّاس

نام اگرچہ قرآن مجید کی یہ آخری دو سورتیں بجلتے خود الگ الگ ہیں۔ اور صفحات میں الگ ناموں ہی سے لکھی جوتی ہیں، لیکن ان کے درمیان باہم اتنا گہرا تعلق ہے، اور ان کے مضامین ایک دوسرے سے اتنی قریبی مناسبت رکھتے ہیں کہ ان کا ایک مشترک نام ”مُعَوِّذَاتِین“ دینا مانگنے والی دو سورتیں رکھا گیا ہے۔ امام شافعی نے دلائل نبوۃ میں لکھا ہے کہ یہ نازل بھی ایک ساتھ ہی ہوئی ہیں، اسی وجہ سے دونوں کا مجموعی نام ”مُعَوِّذَاتِین“ ہے۔ ہم یہاں دونوں پر ایک ہی دیباچہ لکھ رہے ہیں کیونکہ ان سے متعلقہ مسائل و مباحث بالکل یکساں ہیں۔ البتہ آگے ان کی ترجمانی و تفسیر الگ الگ کی جائے گی۔

زمانہ نزول | حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر بن زید کہتے ہیں کہ یہ سورتیں مکی ہیں۔ حضرت عباس سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ مگر ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مدنی ہے اور یہی قول حضرت عبداللہ بن زبیر اور قتادہ کا بھی ہے۔ اس دوسرے قول کو جو روایات تقویت پہنچاتی ہیں ان میں سے ایک مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت عقیبہ بن عامر کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے فرمایا: **الْعَزْوَرَاتُ آیَاتُ أَنْزِلَتْ اللَّیْلَةَ لَمْ یُؤْمَرْ بِمُتْلَلَاتٍ** اَعُوذُ بِدَبِّ الْفَلَقِ، اَعُوذُ بِدَبِّ النَّاسِ تمہیں کچھ پتہ ہے کہ آج رات مجھ پر کسی آیات نازل ہوئی ہیں؟ یہ بے مثل آیات ہیں، اَعُوذُ بِدَبِّ الْفَلَقِ اور اَعُوذُ بِدَبِّ النَّاسِ۔ یہ حدیث اس بنا پر ان سورتوں کے مدنی ہونے کی دلیل ہے کہ حضرت عقیبہ بن عامر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان لائے تھے، جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی نے خود ان کے اپنے بیان سے نقل کیا ہے۔ دوسری روایات جو اس قول کی تقویت کی موجب ہیں وہ ابن سعد، محی الشَّیْءِ لَبَّوْی، امام بیہقی، حافظ ابن حجر، حافظ بدرالدین عینی، عبد بن حمید وغیرہم کی

نقل کردہ یہ روایات ہیں کہ جب مدینہ میں یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاؤ کیا تھا اور اس کے اثر سے حضور بیمار ہو گئے تھے اُس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں۔ ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ سہ ماہی کا واقعہ ہے۔ اسی بنا پر سفیان بن عیینہ نے بھی ان سورتوں کو مدنی کہا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم سورہ اخلاص کے دیباچے میں بیان کر چکے ہیں، کسی سورۃ یا آیت کے متعلق جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی تو اس کا مطلب لازماً یہی نہیں ہوتا کہ وہ پہلی مرتبہ اُسی موقع پر نازل ہوئی تھی، بلکہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک سورت یا آیت پہلے نازل ہو چکی ہوتی تھی، اور پھر کوئی خاص واقعہ یا صورت حال پیش آنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسی کی طرف دوبارہ بلکہ کبھی کبھی بار بار حضور کو توجہ دلائی جاتی تھی۔ ہمارے نزدیک ایسا ہی معاملہ معوذتین کا بھی ہے۔ ان کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ ابتدائے مکہ میں اُس وقت نازل ہوئی ہوگی جب وہاں حضور کی مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔ بعد میں جب مدینہ طیبہ میں منافقین، یہود، اور مشرکین کی مخالفت کے طوفان اُٹھے تو حضور کو پھر انہی دونوں سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی گئی جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر کی مندرجہ بالا روایت میں ذکر آیا ہے اس کے بعد جب آپ پر جاؤ کیا گیا اور آپ کی علالت مزاج نے شدت اختیار کی تو اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے اگر پھر یہی سورتیں پڑھنے کی آپ کو ہدایت کی۔ اس لیے ہمارے نزدیک ان مفسرین کا بیان ہی زیادہ معتبر ہے جو ان دونوں سورتوں کو کئی قرار دیتے ہیں۔ جاؤ کے معاملہ کے ساتھ ان کو مخصوص سمجھنے میں تو یہ امر بھی مانع ہے کہ اُس کے ساتھ صرف سورہ فلق کی صرف ایک آیت وَمِنْ نَّسْرِ النَّفْثِ فِي الْعُقَدِ ہی تعلق رکھتی ہے، سورہ فلق کی باقی آیات اور پوری سورہ اناس کا اس معاملہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

موسوع اور مضمون | مکہ معظمہ میں یہ دونوں سورتیں جن حالات میں نازل ہوئی تھیں وہ یہ تھے کہ اسلام کی دعوت شروع ہونے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپ کی دعوت پھیلنے لگی، کفار قریش کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک انہیں یہ امید رہی کہ شاید وہ کسی طرح کی سود سے بازی کر کے، یا بہلا چھلا کر آپ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے، اُس وقت تک تو پھر بھی غنا و کی شدت میں کچھ کمی رہی لیکن جب حضور نے اُن کو اس طرف سے بالکل مایوس کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے

پر آمادہ ہو سکیں گے، اور سورہ کافروں میں صاف صاف ان سے کہہ دیا گیا کہ جن کی بندگی تم کرتے ہو ان کی بندگی کرنے والا میں نہیں ہوں، اور جس کی بندگی میں کرتا ہوں اس کی بندگی کرنے والے تم نہیں ہو۔ اس لیے میرا راستہ الگ ہے اور تمہارا راستہ الگ، تو کفار کی دشمنی اپنے پورے عروج پر پہنچ گئی۔

خصوصیت کے ساتھ جن خاندانوں کے افراد مردوں یا عورتوں، لڑکوں یا لڑکیوں، نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے دلوں میں تو حضور کے خلاف ہر وقت جھڑپاں سلگتی رہتی تھیں گھر گھر آپ کو کوسا جا رہا تھا خفیہ مشورے کیے جا رہے تھے کہ کسی وقت رات کو چھپ کر آپ کو قتل کر دیا جائے تاکہ بنی ہاشم کو قاتل کا پتہ نہ چل سکے اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔ آپ کے خلاف جادو ٹونے کیے جا رہے تھے تاکہ آپ یا تو وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں، یا دیوانے ہو جائیں۔ شیاطین جن دامن ہر طرف پھیل گئے تھے تاکہ عوام کے دلوں میں آپ کے خلاف اور آپ کے لائے ہوئے دین اور قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیں جس سے لوگ بدگمان ہو کر آپ سے دُور بھاگنے لگیں۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی، کیونکہ وہ اپنے سوا، یا اپنے قبیلے کے کسی آدمی کے سوا، دوسرے کسی شخص کا چراغ جلتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ مثال کے طور پر ابو جہل جس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت میں حد سے بڑھتا چلا جاتا تھا اس کی وجہ وہ خود یہ بیان کرتا ہے کہ ”ہمارا اور بنی عبد مناف (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان) کا باہم مقابلہ تھا۔ انہوں نے کھانے کھلاتے تو ہم نے بھی کھلائے۔ انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی دیں۔ انہوں نے عطیے دیئے تو ہم نے بھی دیئے۔ یہاں تک کہ وہ اور ہم جب عزت و شرف میں برابر کی ٹکڑ ہو گئے تو اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ بھلا اس میدان میں ہم کیسے اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم ہرگز اس کو نہ مانیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے“ (ابن ہشام: جلد اول، ص ۳۳۷-۳۳۸)

ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں طلوع صبح کے رب کی، تمام مخلوقات کے شر سے، رات کے اندھیرے اور جادو گروں اور جادو گر نیوں کے شر سے، اور جاسدوں کے شر سے۔ اور ان سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی ہر اس وسوسہ انداز کے شر سے جو بار بار پٹ پٹکے آتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ شیاطین جن میں سے ہو یا شیاطین انس میں سے۔

یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی حضرت موسیٰ نے اُس وقت فرمائی تھی جب فرعون نے بھرے دربار میں اُن کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ اِنِّیْ عَذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ "میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے ہر اُس متکبر کے مقابلے میں جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا" (المومن، ۲۷)۔ "وَ اِنِّیْ عَذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَوَجَّهُوْا" اور میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے اِس بات سے کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو" (الدخان، ۲۰)

دونوں مواقع پر اللہ کے اِن جلیل القدر پیغمبروں کا مقابلہ بُری بے سرو سامانی کی حالت میں بُرے سرو سامان اور وسائل و ذرائع اور قوت و شوکت رکھنے والوں سے تھا۔ دونوں مواقع پر وہ طاقتور دشمنوں کے آگے اپنی دعوتِ حق پر ڈٹ گئے در آنحالیکہ ان کے پاس کوئی مادی طاقت ایسی نہ تھی جس کے بل پر وہ ان کا مقابلہ کر سکتے۔ اور دونوں مواقع پر انہوں نے دشمنوں کی دھکیبوں اور خطرناک تدبیروں اور معاندانہ چالوں کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ تمہارے مقابلے میں ہم نے ربِّ کائنات کی پناہ لے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اولوالعزمی اور ثابت قدمی وہی شخصیت دکھا سکتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اُس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اُس کے مقابلے میں دنیا کی ساری طاقتیں بیچ ہیں، اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کلمہ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا، تم جو چاہو کر لو، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ میں تمہارے اور اپنے اور ساری کائنات کے رب کی پناہ لے چکا ہوں۔

مَعُوذَتَیْنِ کی قرآنیت | ان دونوں سورتوں کے موضوع اور مضمون کو سمجھنے کے لیے تو اتنی بحث ہی کافی ہے جو اوپر کی جا چکی ہے۔ لیکن چونکہ حدیث و تفسیر کی کتابوں میں ان کے متعلق تین ایسے مباحث آگئے ہیں جو دلوں میں شبہات پیدا کر سکتے ہیں، اس لیے ہم ان کو بھی صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں سے اولین قابلِ توجہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا ان دونوں سورتوں کا قرآنی سورتیں ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، یا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظیم المرتبہ صحابی سے متعدد روایتوں میں یہ بات منقول ہوئی ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتیں نہیں مانتے تھے اور اپنے مصحف سے انہوں نے ان کو سا قوط کر دیا تھا۔ امام احمد، ترمذی، طبرانی، ابن مردودہ، ابویعلیٰ، عبداللہ بن احمد بن حنبل، حمیدی، ابونعیم

ابن جبران، وغیرہ محدثین نے مختلف سندوں سے، اور اکثر و بیشتر صحیح سندوں سے یہ بات حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے۔ ان روایات میں نہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ ان سورتوں کو مصحف سے ساقط کر دیتے تھے، بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے ”قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جز نہیں ہیں۔ یہ دونوں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ یہ تو ایک حکم تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ آپ ان الفاظ میں خدا کی پناہ مانگیں“ بعض روایات میں اس پر یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ ان سورتوں کو نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔

ان روایات کی بنا پر مخالفین اسلام کو قرآن کے بارے میں یہ شبہات ابھارنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں ہے بلکہ اس میں جب یہ دو سورتیں ابن مسعودؓ جیسے صحابی کے بیان کے مطابق الحاقی ہیں تو نہ معلوم اور کیا کیا حذف و اضافے اس کے اندر ہوتے ہونگے۔ اس طعن سے پیچھا چھڑانے کے لیے قاضی ابوبکر الباقلائی اور قاضی عیاض وغیرہ نے یہ تاویل کی کہ ابن مسعودؓ معوذتہین کی قرآنیت کے منکر نہ تھے بلکہ صرف ان کو مصحف میں درج کرنے سے انکار کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک مصحف میں صرف وہی چیز درج کی جانی چاہیے تھی جس کے ثبت کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو، اور ابن مسعودؓ تک یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ حضور نے اس کی اجازت دی ہے لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے قرآنی سورتوں میں ہونے کا انکار کیا ہے کچھ دوسرے بزرگوں مثلاً امام نووی، امام ابن حزم اور امام فخر الدین رازی نے سرے سے اس بات ہی کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے کہ ابن مسعودؓ نے ایسی کوئی بات کہی ہے مگر مستند تاریخی حقائق کو بلا سند و ذکر دینا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی ان روایات سے قرآن پر جو طعن وارد ہوتا ہے اس کا صحیح رد کیا ہے؟ اس سوال کے کئی جواب ہیں جن کو ہم سلسلہ وار درج کرتے ہیں:

(۱) حافظ بزار نے اپنی مسند میں ابن مسعودؓ کی یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اپنی اس رائے میں وہ بالکل منفرد ہیں صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے اس قول کی تائید نہیں کی ہے۔
 (۲) تمام صحابہ کے اتفاق سے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے جو

نفسے مرتب کر دیتے تھے اور خلافتِ اسلامیہ کی طرف سے جن کو دنیا سے اسلام کے مراکز میں پرکاری طویل پر بھیجا تھا، اُن میں یہ دونوں سورتیں درج تھیں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک تمام دنیا سے اسلام کا جس شخص پر اجماع ہے اُس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔ تنہا عبداللہ بن مسعود کی رائے، اُن کی جلالتِ قدر کے باوجود، اس عظیم اجماع کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت صحیح و معتبر احادیث کے مطابق یہ ثابت ہے کہ آپ نے ان سورتوں کو نماز میں خود پڑھا ہے، دوسروں کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے اور قرآن کی سورتوں کی حقیقت ہی سے لوگوں کو ان کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کی احادیث ملاحظہ ہوں :

مسلم، احمد، ترمذی، اور نسائی کے حوالہ سے حضرت عقیبہ بن عامر کی یہ روایت ہم اور نقل کر چکے ہیں کہ حضور نے سورۃ فلق اور سورۃ ناس کے متعلق اُن سے یہ فرمایا کہ آج رات یہ آیات مجھ پر نازل ہوتی ہیں۔ نسائی کی ایک روایت عقیبہ بن عامر سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں سورتیں صبح کی نماز میں پڑھیں۔ ابنِ جبان نے انہی حضرت عقیبہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نے اُن سے فرمایا: اگر ممکن ہو تو تمہاری نمازوں سے ان دونوں سورتوں کی قراءت چھوٹنے نہ پاتے۔ سعید بن منصور نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نے صبح کی نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ امام احمد اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ ایک اور صحابی کی یہ روایت لاتے ہیں کہ حضور نے ان سے فرمایا جب تم نماز پڑھو تو اس میں یہ دونوں سورتیں پڑھا کر۔ مسند احمد، ابوداؤد، اور نسائی میں عقیبہ بن عامر کی یہ روایت آئی ہے کہ حضور نے اُن سے فرمایا: کیا میں دو ایسی سورتیں تمہیں نہ سکھاؤں جو اُن بہترین سورتوں میں سے ہیں جنہیں لوگ پڑھتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ۔ اس پر حضور نے ان کو یہی سورتیں پڑھائیں۔ پھر نماز کھڑی ہوئی تو حضور نے یہی دو سورتیں اس میں بھی پڑھیں۔ اور نماز کے بعد لیٹ کر جب آپ اُن کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ”اے عقیبہ، کیا پاتا تم نے؟“ اور اس کے بعد اُن کو ہدایت فرمائی کہ جب تم سونے لگو اور جب سو کر اٹھو تو ان سورتوں کو پڑھا کر۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی

میں عقبہ بن عامر کی ایک اور روایت یہ ہے کہ حضور نے ان کو ہر نماز کے بعد مسجودات یعنی قل ہو اللہ اعداؤں مسجودتین پڑھنے کی تلقین کی۔ نسائی، ابن مرددویہ اور حاکم نے عقبہ بن عامر کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور سواری پر چلے جا رہے تھے اور میں آپ کے قدم مبارک پر ہاتھ رکھے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے عرض کیا مجھے سورۃ ہود یا سورۃ یوسف سکھا دیجیے۔ فرمایا اللہ کے نزدیک بندے کے لیے قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں ہے۔ عبد اللہ بن عباس الجہنی کی روایت نسائی، بیہقی، بغوی اور ابن سعد نے نقل کی ہے کہ حضور نے مجھ سے فرمایا ابن عباس کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ پناہ مانگنے والوں نے خبیث چیزوں کے ذریعہ سے اللہ کی پناہ مانگی ہے ان میں سب سے افضل کون سی چیزیں ہیں؟ میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ۔ فرمایا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، یہ دونوں سورتیں۔ ابن مرددویہ نے حضرت ام سلمہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ کو جو سورتیں سب سے زیادہ پسند ہیں وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کو یہ غلط فہمی آخر کیسے لاتی ہوئی کہ یہ دونوں قرآن مجید کی سورتیں نہیں ہیں؟ اس کا جواب ہمیں دو روایتوں کو جمع کر کے دیکھنے سے ملتا ہے۔ ایک یہ روایت کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے تھے کہ یہ تو ایک حکم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ آپ اس طرح تعوذ کیا کریں۔ دوسری وہ روایت جو کئی مختلف سندوں سے امام بخاری نے صحیح البخاری میں، امام احمد نے اپنی مسند میں، حافظ ابوبکر المحمیدی نے اپنی مسند میں، ابونعیم نے اپنی المستخرج میں اور نسائی نے اپنی سنن میں زبر بن جبتیش کے حوالے سے تھوڑے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ حضرت ابی بن کعب سے، جو علم قرآن کے لحاظ سے صحابہ کرام میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، نقل کی ہے۔ زبر بن جبتیش کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابی سے کہا کہ آپ کے بھائی عبد اللہ بن مسعود ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ آپ ان کے اس قول کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا حضور نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا قل، تو میں نے بھی کہا قل۔ اس لیے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور رکھتے تھے۔ امام احمد کی روایت میں حضرت ابی کے الفاظ یہ ہیں: ”میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے قل اعوذ برب الفلق کہا تھا اس لیے آپ نے بھی ایسا ہی کہا، اور انہوں نے قل اعوذ

برتبہ انسان کہتا تھا اس لیے آپ نے بھی ایسا ہی کہا، لہذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور نے کہا: "ان دونوں روایتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو دونوں سورتوں میں لفظ قُل رکھوں دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کہنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے حضور سے اس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ حضرت اُبی بن کعب کے ذہن میں بھی اس کے متعلق سوال پیدا ہوا اور انہوں نے حضور سے اس کو پوچھ لیا حضور نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے چونکہ قُل کہا تھا اس لیے میں بھی قُل کہتا ہوں۔ اس بات کو یوں سمجھیے کہ اگر کسی کو حکم دینا مقصود ہو اور اس سے کہا جائے کہ "کہو، میں پناہ مانگتا ہوں"، تو وہ حکم کی تعمیل میں یہ نہیں کہے گا کہ "کہو، میں پناہ مانگتا ہوں" بلکہ وہ کہے گا "لفظ ساقط کر کے میں پناہ مانگتا ہوں" کہے گا۔ بخلاف اس کے اگر کسی کو بالادست حاکم کا پیغام بر ان الفاظ میں پیغام پہنچائے کہ "کہو، میں پناہ مانگتا ہوں" اور یہ پیغام اُسے اپنے تک رکھنے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں تک پہنچانے کے لیے دیا جاتے تو وہ لوگوں تک پیغام کے الفاظ کو جوں کا توں پہنچائے گا، اُس میں سے کوئی چیز ساقط کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ پس ان دونوں سورتوں کی ابتدا لفظ قُل سے ہونا اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ یہ کلام وحی ہے جسے حضور انہی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں یہ آپ کو ملا تھا۔ اس کی حیثیت محض ایک حکم کی نہ تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں ان دو سورتوں کے علاوہ ۳۳ آیتیں ایسی ہیں جو لفظ قُل رکھوں سے شروع ہوتی ہیں۔ ان سب میں قُل کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ کلام وحی ہے جسے انہی الفاظ میں پہنچانا حضور کے ذمہ فرض تھا جن الفاظ میں یہ آپ پر نازل کیا گیا تھا۔ ورنہ ہر جگہ قُل اگر ایک حکم ہوتا تو حضور اس لفظ کو ساقط کر کے وہ بات کہتے جس کے کہنے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا، اور اُسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا بلکہ حضور صرف اس حکم کی تعمیل میں وہ بات کہہ دینے پر اکتفا فرماتے جسے کہنے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

اس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ سکتی ہے کہ صحابہ کرام کو بے خطا سمجھنا اور ان کی کسی بات کے لیے غلط کالقبُ سننے ہی تو بینِ صحابہ کا شور مچا دینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چوک ہو گئی۔ ایسی چوک اگر اتنے عظیم مرتبہ کے صحابی سے ہو سکتی ہے تو

دوسروں سے بھی کوئی چوک ہو جانی ممکن ہے۔ ہم علمی تحقیق کے لیے اُس کی چھان بین بھی کر سکتے ہیں، اور کسی صحابی کی کوئی بات یا چند باتیں غلط ہوں تو انہیں غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ سخت ظالم ہو گا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر ان پر زبانِ طعن دراز کرے۔ اپنی مَعُوذَتِین کے بارے میں مغیر بن مُعَذِّثِین نے ابنِ مسعود کی رائے کو غلط کہا ہے، مگر کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کی دوسو سورتوں کا انکار کر کے معاذ اللہ وہ کافر ہو گئے تھے۔

حضور پر جادو کا اثر ہونا | دوسرا مسئلہ جو ان سورتوں کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روایات کی رُو سے حضور پر جادو کیا گیا تھا، اور اس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے تھے، اور اس اثر کو دور کرنے کے لیے جبریل علیہ السلام نے آکر آپ کو یہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی۔ اس پر قدیم اور جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مُشْتَبَہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا تھا، اور ان روایات کی رُو سے ہو گیا تھا، تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور پر نبی سے کیا کیا کہلوا اور کروا لیا ہو، اور اُس کی دی ہوئی تعلیم میں کتنی چیزیں خدا کی طرف سے ہوں اور کتنی جادو کے زیرِ اثر۔ یہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ سے نبی کو نبوت کے دعوے پر اکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اُس کے پاس فرشتہ آیا ہے اُن کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن میں تو کفار کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک مسکورا یعنی سحر زدہ آدمی ہے (يَقُولُ الظَّالِمُونَ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا۔ بنی اسرائیل، ۴۷)، مگر یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر سحر کا اثر ہوا تھا۔

اس مسئلے کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا حقیقت مُسْتَنَد تاریخی روایات کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات وارد بھی ہوتے ہیں یا نہیں جو کیے گئے ہیں؟

قرآنِ اولیٰ کے مسلمان علماء کی یہ انتہائی راستبازی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور فرعونیات

کے مطابق تاریخ کو منسوخ کرنے یا خفاتی پر پردہ ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ جو کچھ تاریخی طور پر ثابت تھا اسے جوں کا توں بعد کی نسلوں تک پہنچا دیا اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ان خفاتی سے اگر کوئی اُلٹے نتائج نکالنے پر اتر آتے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اُس کے کام آسکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مُشَنَّد اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحبِ علم کے لیے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بنا پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اُس کو مان لینے سے اُس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما ہوتی ہیں، اور نہ یہی درست ہے کہ خفیہ بات تاریخ سے ثابت ہے اس کو قیاسا کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اُس کا کام یہ ہے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اُس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جاؤ کا اثر ہونے کا واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے اور علمی تنقید سے اُس کو اگر غلط ثابت کیا جاسکتا ہو تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اسے حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ارقم اور حضرت عبداللہ بن عباس سے بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مَرْدُؤَیَہ، ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے کہ اُس کا نفسِ مضمون تو اُن کی حد کو پہنچا ہوا ہے اگرچہ ایک ایک روایت بجائے خود خیرِ واحد ہے۔ اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انہیں ہم مجموعی طور پر تمام روایات سے مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں یہاں درج کرتے ہیں۔

صلحِ حدیبیہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لاتے تو محرم ۶ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جاؤ گر لبید بن اعصم سے ملا جو انصار کے قبیلہ بنی زریق سے تعلق رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے اُس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ

لے بعض راویوں نے اُسے یہودی کہا ہے، اور بعض نے منافق اور یہود کا حلیف۔ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ وہ بنی زریق میں سے تھا، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ بنی زریق یہودیوں کا کوئی قبیلہ نہ تھا بلکہ خزرج میں سے انصار کا ایک

جو کچھ کیا ہے وہ نہیں معلوم ہے۔ ہم نے اُن پر بہت جاؤ کرنے کی کوشش کی، مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آتے ہیں، کیونکہ تم ہم سے بڑے جاؤ گروہ۔ لو، یہ تین اثر فیاں حاضر ہیں، انہیں قبول کرو اور محمد پر ایک زور کا جاؤ کر دو۔ اُس زمانے میں حضور کے ہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اُس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضور کی کلنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا جس میں آپ کے نمونے مبارک تھے۔ انہی بالوں اور کلنگھی کے ذندانوں پر جاؤ کیا گیا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ نبید بن اعصم نے خود جاؤ کیا تھا، اور بعض میں یہ ہے کہ اس کی بہنیں اس سے زیادہ جاؤ گرنیاں تھیں، ان سے اس نے جاؤ کروایا تھا۔ بہر حال ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، اس جاؤ کو ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر نبید نے بنی زریق کے کنوئیں ذروان یا ذی اروان نامی کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس جاؤ کا اثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتے ہوئے پورا ایک سال لگا، دوسری ششماہی میں کچھ تغیر مزاج محسوس ہونا شروع ہوا، آخری چالیس دن سخت اور آخری تین دن زیادہ سخت گزرے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر حضور پر ہوا وہ بس یہ تھا کہ آپ گھلتے جا رہے تھے، کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ آپ نے اسے کر لیا ہے مگر نہیں کیا ہوتا تھا۔ ازواج کے متعلق آپ خیال فرماتے کہ اُن کے پاس گئے ہیں مگر نہیں گئے ہوتے تھے۔

— اور بعض اوقات آپ کو اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے، حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہوسکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ رہی آپ کے نبی ہونے کی حیثیت تو اس میں آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہ ہونے پایا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اُس زمانے میں آپ قرآن کی کوئی آیت بھول گئے ہوں، یا کوئی آیت آپ نے غلط پڑھ ڈالی ہو، یا اپنی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں

۷۰۔ قبیلہ تھا۔ اس لیے یا تو وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو اہل مدینہ میں سے یہودی ہو گئے تھے، یا یہود کا حلیف ہونے کی بنا پر بعض لوگوں نے اسے بھی یہودی شمار کر لیا۔ تاہم اس کے لیے منافی کا لفظ استعمال ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر وہ مسلمان بنا ہوا تھا۔

۱۔ ابتدا میں کھجور کا خوشہ ایک غلاف کے اندر ہوتا ہے۔ اور نر کھجور کے غلاف کا رنگ انسان کے رنگ سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور اس کی بو انسان کے مادہ منویہ جیسی ہوتی ہے۔

آپ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو، یا کوئی ایسا کلام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو، یا نماز آپ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی، اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکی تھی اُسے ایک جادوگر کے جادو نے چت کر دیا۔ لیکن آپ کی حیثیت نبوی اس سے بالکل غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ اپنی جگہ اسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔ آخر کار ایک روز آپ حضرت عائشہؓ کے ہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی حالت میں منید آگئی یا غنودگی طاری ہوئی اور پھر بیدار ہو کر آپ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اُس نے مجھے بتا دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا دو آدمی (یعنی فرشتے دو آدمیوں کی صورت میں) میرے پاس آئے۔ ایک سر ہانے کی طرف تھا اور دوسرا پائنتی کی طرف۔ ایک نے پوچھا انہیں کیا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے۔ اُس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا بُکید بن اعصم نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر۔ پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا بنی زُرّیق کے کنویں ذی اُروان دیا ذروان کی تر کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جلتے؟ جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اُس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جُبیر بن ابیاس الزُرّیقی اور قیس بن مخضص الزُرّیقی (یعنی بنی زُرّیق کے یہ دو اصحاب) بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں حضورؐ خود بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا۔ اُس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گڑ میں ڈری ہوئی تھیں اور موم کا ایک ٹپلا تھا جس میں سوٹیاں چھبوتی ہوئی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نے اگر بتایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ایک ایک گڑہ کھولی جاتی اور پتے میں سے ایک ایک سوٹی نکالی جاتی رہی۔ خاتمہ تک پہنچتے ہی ساری گڑ میں کھل گئیں، ساری سوٹیاں نکل گئیں، اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے

جیسے کوئی شخص زندہ ہوا تھا، پھر کھل گیا۔ اس کے بعد آپ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اُس نے اپنے تصور کا اعتراف کر لیا اور آپ نے اس کو چھوڑ دیا، کیونکہ اپنی ذات کے لیے آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اس معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دیدی ہے، اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔

یہ ہے سارا قصہ اس جادو کا۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو آپ کے منسوب نبوت میں قاذح ہو۔ ذاتی حیثیت سے اگر آپ کو زخمی کیا جاسکتا تھا جیسا کہ جنگِ اُحد میں ہوا، اگر آپ گھوڑے سے گر کر چوٹ کھا سکتے تھے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر آپ کو بچھو کاٹ سکتا تھا جیسا کہ کچھ اور احادیث میں وارد ہوا ہے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی اُس تحفظ کے منافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا، تو آپ اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے تھے۔ نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے، یہ بات تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ سورہ اعراف میں فرعون کے جادو گروں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جب وہ آتے تو انہوں نے ہزار ہا آدمیوں کے اُس پورے مجمع کی نگاہوں پر جادو کر دیا جو وہاں دونوں کا مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے اس آیت ۱۱۶، اور سورہ طہ میں ہے کہ جولاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں حضرت موسیٰ نے بھی یہی سمجھا کہ وہ اُن کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آرہی تھیں اور اس سے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ خوف نہ کرو تم ہی غالب رہو گے، ذرا اپنا عصا پھینکو (فَاِذَا جِآءَهُمْ دَعَابُهُمْ يُحْيِيْهِمُ اٰلِهٖ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُمْ تَسْعٰی، فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيفَةً مُّوسٰی، قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَالْاٰتِقُ مَا فِیْ يَمِيْنِكَ۔ کہات ۶۶ تا ۶۹)۔ برابر اعتراف ہے کہ یہ تو کفار مکہ کے اُس الزام کی تصدیق ہو گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سحر آدمی کہتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ کو سحر زدہ آدمی اس معنی میں نہیں کہتے تھے کہ آپ کسی جادو کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں، بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ کسی جادو گروں نے معاذ اللہ آپ کو پاگل کر دیا ہے اور اسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور حُبت و دوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراف ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا جس کے متعلق تاریخ

سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف ذاتِ محمد پر ہوا تھا، نبوتِ محمد اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض ادہام کے قبیل کی چیز قرار دیتے ہیں ان کی یہ رائے صرف اس وجہ سے ہے کہ جادو کے اثرات کی کوئی سائنٹفک توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ لیکن دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تجربے اور مشاہدے میں آتی ہیں، مگر سائنٹفک طریقہ سے یہ بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں۔ اس طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس چیز پر کا انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔ جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر روح ایک نفسیاتی چیز ہے، مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں تھمر تھری چھوٹ جاتی ہے۔ دراصل جادو سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، مگر انسان کا نفس اور اس کے حواس اُس متاثر ہو کر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہو گئی ہے۔ حضرت موسیٰ کی طرف جادو گروں نے جولاٹھیاں اور رتیاں پھینکی تھیں وہ واقعی سانپ نہیں بن گئی تھیں، لیکن ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا، اور حضرت موسیٰ تک کے حواس جادو کی اس تاثیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اسی طرح قرآن (البقرہ، آیت ۱۰۲) میں بیان کیا گیا ہے کہ بابل میں ہاروت اور ماروت سے لوگ ایسا جادو سیکھتے تھے جو شوہر اور بچہ ہی تبدیل ہو جاتا۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر تجربے سے لوگوں کو اس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہ بن سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ نیدوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں ہے، مگر جو چیز ہزار ہا سال سے انسان کے تجربے اور مشاہدے میں آرہی ہو اس کے وجود کو ٹھٹھلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔

(باقی)